Fikr-o-Nasar (Islamabad) 31:3 (1994)
© rasailojaraid.com

رأس المال

(مفہوم و مصداق)

محمد سعد صدیقی

کوئی محقق اس موضوع سے متعلق مختلف رائے رکھتے ہوں، تو
اپنا مقالہ بھجوا کر قارئین فکر و نظر کو مستفید فرمائیں۔ (مدیر)

مال کے لغوی معنی:

مال کا مادہ "میل" ہے میل کے معنی میلان کے ہیں یعنی کسی ایک جانب متوجہ ہونا، راغب کے بقول مال کو مال اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ بھی کسی کی طرف متوجہ رہتا ہے اور زائل ہونے والا ہے۔ اور اس بنا پر اس کو "عرض" (سامان) کہا جاتا ہے کہ یہ کسی چیز کے عارضی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی دلیل دیتے ہوئے راغب ایک قول نقل کرتے ہیں۔

المال، فحبة تکون یوما فی بیت عطار و یوما فی بیت بیطار (۱)

(مال، ہاتھ کا میل ہے ایک دن عطار (متمول) کے پاس اور دوسرے دن کسی تہی دامن کے پاس ہوتا ہے)

قرآن حکیم میں مال کا لفظ عمومی معنی میں استعمال ہوا ہے، جس سے مراد زر نقد بھی ہو سکتا ہے، سامان بھی ہو سکتا ہے اور غیر منقولہ جائیداد بھی۔ جن مقامات پر باطل طریقہ سے مال کمانے کی نفی کی گئی ہے وہ اسی عموم میں شامل ہیں جہاں مال تجارت میں خسارہ کی بات کی گئی ہے، وہاں مال سے مراد سامان تجارت ہے۔ (۲) اور جہاں مال گننے کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں مال کا مفہوم زر نقد سمجھ میں آتا ہے۔ (۳) ابن عربی احکام القرآن میں مال سے مراد درج ذیل اشیاء لیتے ہیں۔

۱۔ سامان مملوکہ، اس کے اندر منقولہ و غیر منقولہ ہر قسم کا ایسا مال آگیا جو کسی شخص کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملکیت میں ہو۔

۲۔ تجارت سے حاصل شدہ منافع' اس کی تین اقسام ہیں۔

الف ۔ نقد منافع ب ۔ ادھار منافع ج۔ متوقع منافع ذرخت کا پھل یا کھیت کی پیداوار' صنعت و حرفت یا کرایہ۔

ان تمام اشیاء کو قرآن حکیم میں مال شمار کیا گیا ہے۔ اور کسی بھی ایسی زیادتی کو سود شمار کیا گیا ہے کہ جو عوض سے خالی ہو۔ (۴) سود کیا ہے اور رأس المال کے معنی کیا ہیں اس کو سمجھنے کے لئے ضروری ہو گا کہ اس زمانہ میں مروج سود کے طریقوں پر بحث کی جائے۔

زمانہ جاہلیت کا ربا:

اسلام سے قبل اور نبی کریمؐ کی بعثت کے بعد لیکن سود کے حرام ہونے سے قبل سود کی جو عمومی شکل مروج تھی وہ یہ تھی کہ ایک شخص اپنی ضرورت کے لئے کسی سے رقم قرض لیتا تھا' ایک خاص مدت کے بعد اسے لوٹانے کا معاہدہ طے پاتا تھا اس مدت کا ایک معاوضہ طے کر لیا جاتا تھا' اگر مدیون نے مدت متعینہ میں قرض لوٹا دیا تو معاوضہ میں اضافہ نہ کیا جاتا اور اگر مدیون مہلت طلب کرتا تو مہلت بڑھانے کے ساتھ ساتھ اس کا معاوضہ بھی بڑھا دیا جاتا ۔ اور اس معاملہ کو معاملہ بیع سمجھا جاتا تھا' کہ مدیون کو مہلت دی جا رہی ہے اور اس کا معاوضہ حاصل کیا جا رہا ہے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حرمت سود کے وقت بھی ایک شکل سود کی مروج تھی اور اسی کو قرآن حکیم نے حرام قرار دیا ہے ۔ تجارتی و اجتماعی سود اس وقت مروج تھا نہ اس کی حرمت قرآن حکیم میں نازل ہوئی ۔ اولاً تو یہ تصور ہی غلط ہے کہ سود کی صرف یہی شکل مروج تھی بلکہ جیسا کہ آگے چل کر بتایا جائے گا تجارتی اور اجتماعی سود بھی مروج تھا۔ لیکن اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ سود کی کوئی اور شکل مروج نہ تھی تو حسب ذیل اصول و کلیات کی رو سے ہر قسم کا سود حرام ہو گا۔

۱۔ کسی بھی آیت کا شان نزول اس کے نازل ہونے کا سبب ہوتا ہے' اس آیت سے مستنبط حکم کی علت نہیں ہوتا۔ اگر شارع (قرآن حکیم) یا اولین مفسر شارع (نبی کریمؐ) نے کسی حکم کو کسی خاص علت یا حالات کے ساتھ مخصوص نہیں کیا اور آیات کے الفاظ عام ہیں'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو حکم بھی عام ہو گا اور بلا کسی واضح قرینہ کے اس کی تخصیص جائز نہ ہو گی۔ (۵) چنانچہ یہاں بھی سود کی حرمت کے نزول کے وقت مروج سود کی ایک خاص شکل حرمت سود کے نزول کا سبب ہے' اس کی حرمت کی علت نہیں۔ لہٰذا صرف اس خاص شکل کو حرام باقی اشکال کو حلال سمجھنا قرآن حکیم کے مجموعی تصور' اس کے احکام اور اس کی ہمہ گیری اور عالمگیری نوعیت کے خلاف ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ از روئے قرآن شراب' مردار اور جوأ حرام ہے تو کیا شراب کی صرف وہی قسم حرام ہے جو اس زمانہ میں مروج تھی اور آج اگر کوئی جدید نشہ آور چیز معرض وجود میں آتی ہے تو وہ اس وجہ سے حلال ہو گی کہ نبی کریمؐ کے زمانہ میں یا حرمت شراب کے حکم کے نزول کے وقت موجود نہ تھی۔ یا قمار (جوے) کی کوئی جدید شکل اس وجہ سے حلال ہو گی کہ یہ شکل زمانہ نبویؐ میں مروج نہ تھی۔ یہ عقیدہ و نظریہ احکام قرآنی اور شریعت کے ہمہ گیر بنیادی تصور اور حلال و حرام کے سلسلہ میں متعینہ اصول کے بھی سراسر خلاف ہے۔

۲۔ آیت سود میں حرمت کے بعد رأس المال لینے کی اجازت دی اور یہ ارشاد فرمایا:
لا تظلمون ولا تظلمون۔ (۶) نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے) یعنی معاملہ سود کا نتیجہ بہرحال ظلم کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور اسی ظلم و زیادتی کی بناء پر اس کو حرام قرار دیا گیا۔ ظلم کی ایک شکل تو یہ ہے کہ مدیون سے قرض کی ادائیگی کی مہلت پر اس سے معاوضہ طلب کیا جائے' یہ مدیون پر ظلم ہے۔ ظلم کی دوسری شکل یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو یا کسی ادارہ کو کچھ رقم کاروبار کے لئے دیتا ہے' اصل زر (رأس المال) کے ساتھ ایک نسبت منافع کی طے کر لی جاتی ہے اور وہ منافع بہر طور اسے ملنا ہے۔ اس معاملہ میں دو امکانی صورتیں ہیں۔

الف۔ ادارہ کو منافع اس طے شدہ شرح سود سے زیادہ ہوا لیکن مالک سرمایہ صرف اس قدر منافع لینے کا پابند ہے جس قدر کہ ابتداء معاملہ میں طے ہو گیا تھا' یہ مالک سرمایہ پر ظلم ہے۔

ب۔ منافع اس قدر نہیں ہوا بلکہ اس شخص کو یا اس ادارہ کو نقصان ہوا ہے لیکن یہ شخص یا ادارہ طے شدہ منافع دینے کا پابند ہے' یہ اس تاجر' شخص یا ادارہ پر ظلم ہے۔ شریعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی ایسے معاملہ کو منعقد کرنے کی کسی صورت میں اجازت نہیں دے سکتی جس میں فریقین میں کسی ایک پر ظلم و زیادتی کا امکان ہو۔ بھر جبکہ خاص سود کے معاملہ میں اس ظلم و زیادتی کو صراحت کے ساتھ روک دیا گیا۔

مزید براں یہ فرض کر لینا کہ سود کی صرف ایک شکل مروج تھی' غلط ہے۔ بعض روایات سے سود کی تجارتی قسم اور اجتماعی سود کے رائج ہونے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ علامہ عینی کی نقل کردہ ایک روایت کے مطابق بنی عمرو بن عمیر اور بنی مغیرہ میں سودی لین دین ہوا کرتا تھا۔ بنی مغیرہ مسلمان ہو گئے اور سنہ ۹ھ میں بنی عمرو بھی مسلمان ہو گئے۔ (۷) تو سود کی جو رقم بنو مغیرہ کے ذمہ واجب تھی' بنی عمرو نے بالاتفاق اعلان کیا کہ ہم نے توبہ کی اور اب صرف رأس المال لیں گے' سود نہ لیں گے۔ (۸) اسی طرح حضرت عباس کی سود کی ایک بڑی رقم بنو ثقیف کے ذمہ تھی' حضرت عباس نے مطالبہ کرنا چاہا لیکن نبی کریمؐ کے منع کرنے پر آپ نے اپنی سود کی بڑی رقم چھوڑ دی۔ (۹) حضرت عباسؓ اور حضرت عثمانؓ کی ایک رقم ایک سوداگر کے ذمہ تھی' ان دونوں حضرات نے بھی نبی کریمؐ کے حکم سے یہ رقم چھوڑ دی۔ (۱۰)

ان واقعات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ تجارتی سود بھی مروج تھا اور بنو عمرو کے واقعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ اجتماعی سود کی شکل بھی رائج تھی اور سود کی ان تمام شکلوں کو بیک جنبش قلم ختم کر دیا گیا۔ اس اصول کے تحت سرمایہ دار کمپنیاں (Invsestment companies) کے ساتھ سرمایہ کاری کر کے اس پر سود لینا بھی حرام ہے۔ بنکوں میں جمع شدہ رقوم پر اور بچت سکیموں کے سرٹیفکیٹ پر متعینہ منافع بھی سود کی تعریف میں داخل ہے اور اسی طرح حرام ہے جس طرح قرضہ پر سود حرام ہے۔

پروفیسر محمد طاہر القادری نے اپنی کتاب بلاسود بنکاری میں ڈیفنس سیونگز سرٹیفکیٹ اور اس قسم کی دیگر بچتی سکیموں کے سرٹیفکیٹ کے متعلق یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حکومت اپنے مختلف سرٹیفکیٹ خریداروں کو فروخت کرے اور اسی وقت یہ معاہدہ ہو جائے کہ یہ کاغذ آپ اگر ایک سال کے بعد ہمیں فروخت کریں گے' تو اس کی مالیت اس قدر ادا کی جائے گی اور دو سال بعد فروخت کریں گے تو اس قدر اضافی قیمت ادا کی جائے گی' اس شکل میں دونوں مرتبہ یہ معاملہ بیع منعقد ہو گا اور اس پر منافع حاصل کرنا اسی طرح جائز ہو گا جس طرح دیگر سامان پر (۱۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پروفیسر صاحب کا یہ موقف احکام قرآنی اور تعلیمات نبوی ؐ کی روشنی میں غلط ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں۔

۱۔ پروفیسر صاحب کا درج بالا نظریہ اس بنیاد پر مبنی ہے کہ یہ سرٹیفکیٹ ایک مال یا سامان کی حیثیت رکھتے ہیں اور خریداری کے بعد خریدار کی ملکیت میں آ جاتے ہیں۔ پھر ان پر وہ منافع حاصل کر کے دوبارہ فروخت کر سکتا ہے' حالانکہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے' یہ مال نہیں ہے بلکہ اس رقم کی ایک رسید ہے جو سرمایہ کار نے محکمہ میں جمع کرائی ہے اور یہ بات عیاں ہے کہ رسید کوئی مال متقوم نہیں جس کی بیع و شرا (خرید و فروخت) کی جا سکے۔

۲۔ ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ سے حاصل شدہ رقم محکمہ' دفاعی سامان بنانے پر صرف کرتا ہے اور اس دفاعی سامان (اسلحہ وغیرہ) کو ملک میں مختلف ایجنسیوں کو فروخت اور بیرون ملک برآمد کیا جاتا ہے' اس سے حاصل شدہ منافع کی ایک خاص حد ان لوگوں میں تقسیم کی جاتی ہے جنھوں نے یہ سرٹیفکیٹ خریدے ہوئے ہوں' محکمہ یہ اعلان نہیں کرتا کہ اسے کس قدر منافع ہوا ہے اور اس میں سے کس قدر ان لوگوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔

۳۔ ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ خریدنے والوں کو محکمہ میں سرمایہ کار کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور اسے قواعد و ضوابط میں "Investor" کے لفظ سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ محکمہ کے ساتھ اس کاروبار میں شریک ہوتا ہے جو محکمہ اس رقم سے کرتا ہے اور یہ شرکت و مضاربت کی صورت ہے جس میں معینہ منافع سود میں داخل ہوتا ہے۔

۴۔ یہ بات بلاشبہ درست ہے کہ مال کی ملکیت کاغذ کے ذریعہ ہی سے ثابت ہوتی ہے کسی جائیداد کے کسی شخص کی ملکیت میں ہونے کا ثبوت متعینہ کاغذ ہی ہوتے ہیں لیکن مملوک مال کا ایک علیحدہ وجود ہوتا ہے جس کو خرید و فروخت کے وقت باقاعدہ قبضہ میں لیا جاتا ہے ۔ چنانچہ اموال غیر منقولہ میں ایک کاغذ جسے سند قبضہ جاری کی جاتی ہے کہ مشتری نے موقع پر خریدی ہوئی چیز پر قبضہ کر لیا ہے۔ اسی طرح منقولہ املاک کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

Delivery SliP دی جاتی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اصل مال متقوم وہ جائیداد یا چیز ہے جس پر قبضہ کیا گیا ہے یا جسے مشتری کے سپرد کیا گیا ہے ۔ کاغذات اس کی قانونی اور ضابطہ کی خریداری کی ایک سند ہوتے ہیں۔ کوئی شخص یہ نہیں کر سکتا کہ صرف کاغذات فروخت کرے اور جس مال سے متعلق وہ کاغذات ہیں' اسے فروخت نہ کرے' ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ اسی طرح کے کاغذ ہیں جو اس رقم کی تصدیق و ضمانت ہیں کہ ان کی اس قدر رقم جو اس سرٹیفکیٹ کی (Face value) ہے' محکمہ کے قبضہ میں ہے۔

۵۔ کسی بھی چیز کے معاملہ بیع منعقد ہونے کے بعد جب خریدی ہوئی چیز پر خریدار قبضہ کر لیتا ہے اور معاملہ بیع مکمل ہونے کے بعد مجلس برخاست ہو جاتی ہے' تو فروخت شدہ چیز فروخت کنندہ کی ملکیت سے نکل کر خریدار کی ملکیت میں چلی جاتی ہے ۔ خریدار اب اس کا قانونی' اخلاقی اور شرعی مالک ہوتا ہے اور اس میں تصرف کا حق اسے حاصل ہوتا ہے۔ اب وہ چیز خریدار کسی کے ہاتھ فروخت کرے' کسی کو ہدیہ کر دے یا ضائع کر دے ان تمام تصرفات کے حقوق اس کو حاصل ہیں۔ فروخت کنندہ اس سلسلہ میں کوئی پابندی اس پر عائد نہیں کر سکتا جبکہ اس سرٹیفکیٹ کے سلسلہ میں اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ مال ہے اور اس کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے تو اس میں حسب ذیل پابندیاں خریدار پر عائد ہیں:

الف۔ ایک خاص مدت سے قبل یہ خریدار ان کاغذات کو فروخت نہیں کر سکتا۔

ب۔ وہ کاغذات صرف ڈاک کے محکمہ کو جہاں سے وہ جاری ہوئے ہیں' فروخت کر سکتا ہے ۔ قواعد و ضوابط کی رو سے وہ کاغذات کسی اور کے ہاتھ فروخت نہیں کیے جا سکتے۔

ج۔ ایک خاص متعین منافع یا قیمت پر دوبارہ خریداری عمل میں آ سکتی ہے۔ مالک نہ قیمت میں کوئی کمی کر سکتا ہے اور نہ زیادتی۔

یہ تمام پابندیاں معاملہ بیع کو فاسد کرنے والی ہیں۔ خریدار کو اختیار ہے کہ وہ جب چاہے اپنی مملوک چیز کو کسی کے ہاتھ' کسی بھی منافع پر فروخت کر دے۔

ان حقائق کی روشنی میں بات پایہ ثبوت کو پہنچی کہ اس معاملہ کو بیع پر قیاس نہیں کیا جا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکتا اور نہ ہی مال پر منافع کے احکام اس پر جاری کیے جا سکتے ہیں ۔ یہ بہرحال سود ہے البتہ اس کے جواز کی یہ شکل ہو سکتی ہے کہ اس کا تعین رأس المال کی شرح پر کرنے کی بجائے منافع کی شرح پر کر دیا جائے کہ مثلاً دس ہزار روپیہ کے سرٹیفکیٹ خریدنے والوں کو منافع کا اتنے فیصد حصہ ملے گا اور ہر سال کل منافع کا اعلان کیا جائے۔ چونکہ یہ رقم جائز کاروبار میں لگ رہی ہے اس لئے اس صورت میں جائز ہو گا۔

سود کی اس وضاحت اور اس کے ان احکام کے بعد رأس المال پر بحث کی جائے گی۔ اور راس المال کے مصداقات متعین کیے جائیں گے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کس مال میں رأس المال پر زیادتی سود کہلائے گی۔ اس بحث کا انحصار دو امور پر ہو گا۔

الف۔ مال کے معنی اور اس کا مصداق کیا ہے ؟

ب۔ نقد کی تعریف' اس کے مصداقات کیا ہیں ؟

مال کے معنی:

"المال ما یمیل الیہ الطبع ویمکن ادخارہ لوقت الحاجۃ و المالیۃ تثبت بتمول الناس کافۃ او بعضھم۔ [۱۲]

(مال وہ چیز ہے جس کی طرف انسانی طبیعت مائل ہو' اور اس کا مشکل وقت کے لیے جمع کیا جانا بھی ممکن ہو' مزید یہ کہ کسی بھی چیز کی جانب تمام انسانوں یا بعض لوگوں کے میلان طبع سے کسی چیز میں مالیت ثابت ہو جاتی ہے)۔

گویا جس چیز کے اندر حسب ذیل خصوصیات پائی جاتی ہوں' وہ مال کی تعریف میں داخل ہو گا۔

الف) جس کی طرف زیادہ تر یا تمام تر لوگوں کا میلان ہو۔

ب) جس چیز کو کسی حاجت یا ضرورت کے لئے جمع رکھا جا سکتا ہو۔ ان دو خصوصیات سے نتیجۃً ایک تیسری خصوصیت سامنے آتی ہے۔

ج) جس چیز پر کسی کے مالکانہ حقوق قائم ہو سکتے ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جس چیز کو خاطر جمع رکھا جا سکے وہ مال ہے اور امام شافعی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے نزدیک جس چیز میں کسی کی ملکیت بننے کی صلاحیت ہو' وہ مال ہے۔ فقہ السنۃ میں بیان کردہ تعریف سے ایک مزید خصوصیت سامنے آتی ہے۔

"المال کل مایملک وینتفع بہ وسمی مالا لمیل الطبع الیہ۔" (۱۳)

(مال ہر وہ چیز ہے جس کی ملکیت ممکن ہو' جس سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہو' اور مال کو مال اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کی طرف لوگوں کی طبیعتوں کا میلان ہوتا ہے)

یعنی صلاحیت' ملکیت و میلان طبع کے علاوہ منفعت اس کے اندر موجود ہو۔ ان تعریفات کی روشنی میں یہ بات کہنی ضروری ہے کہ ان میں سے کسی ایک خصوصیت کے پائے جانے سے کوئی چیز مال بن جائے گی کیونکہ بعض اشیاء ایسی ہوتی ہیں جن کی طرف میلان طبع ہوتا ہے' ان میں ملکیت بھی ہو سکتی ہے لیکن انہیں ذخیرہ نہیں کیا جا سکتا مثلاً پھل' سبزیاں' برف' دودھ وغیرہ۔ حالانکہ یہ تمام چیزیں مال ہیں۔ مصطفیٰ زرقا نے مال کی حسب ذیل تعریف کی ہے جو اپنے مفہوم و مصداق کے اعتبار سے جامع ہے۔

"المال ھو کل عین ذات قمیۃ مادیۃ بین الناس۔" (۱۴)

(مال وہ چیز ہے جس کا ایک مادی وجود ہو اور لوگوں کے درمیان اس کی کوئی حیثیت و قیمت ہو)۔

یعنی ایک ایسی چیز جس کا مادی و ذاتی وجود ہو' جس کی قیمت معاشرہ میں ادا کی جاتی ہو اور افراد معاشرہ اس کو اپنی ملکیت میں رکھتے ہوں اور اس کے اندر یہ صلاحیت ہو کہ ایک خاص مدت تک کم یا زیادہ' اس کو حسب ضرورت رکھا جا سکتا ہو۔۔۔ امام سرخسی کی عبارت سے مال کی حسب ذیل تعریف سمجھ میں آتی ہے۔

"مال وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے پیدا کیا اور احکام شریعت میں اس کی تجارت اور اس سے حصول منافع کو جائز کیا"۔ (۱۵)

یعنی امام سرخسی کے نزدیک ہر وہ چیز مال ہے کہ جو انسان کی کوئی بھی ضرورت پوری کر سکتی ہو' جس کی تجارت کی جا سکتی ہو اور جس سے منافع حاصل کیا جا سکتا ہو۔ جزری نے مال کی تعریف کرتے ہوئے اس کی شرعی حیثیت پر بحث کی ہے اور اس کی دو خصوصیات بیان کی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الف) ایسی چیز جس سے بوقت ضرورت کوئی فائدہ حاصل کر سکے۔

ب) ایسی چیز جس سے فائدہ حاصل کرنا یا جس کا استعمال کرنا شرعاً جائز ہو" (۱۶) یہ تعریف بھی امام سرخسی کی تعریف کے مشابہ ہے جس میں ان تمام اشیاء کو مال کی تعریف سے نکال دیا گیا جن کی تجارت شریعت نے حرام قرار دی ہے۔ مثلاً شراب اور سور کا گوشت۔ یہ دونوں اشیاء ایسی ہیں کہ لوگوں کا اس طرف میلان بھی ہے اور انہیں ذخیرہ بھی کیا جا سکتا ہے اور ان سے منافع بھی حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن چونکہ شریعت نے ان چیزوں کی تجارت کو حرام قرار دیا۔ لہٰذا یہ چیزیں مال کی تعریف میں داخل نہ ہوں گی۔

مال کی ان تعریفات سے مال کی تین اقسام سامنے آتی ہیں:

۱۔ نقود

۲۔ اموال منقولہ

۳۔ اموال غیر منقولہ

اب یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

الف۔ نقود کے مصداقات کیا ہیں؟

ب۔ ان اموال میں سے کس مال میں صرف رأس المال لینے کی اجازت ہے؟

نقد کی تعریف:

علامہ جزری نقد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الذهب و الفضة المسكوتين باتفاق اهل المذهب و تصح بالفلوس الرائجه على المفتى به' والمراد بالفلوس الرائجه ما يتعامل به من غير الذهب و الفضه كا القروش الصاغ و التعريفه وغيرهما من النقد المتخذ من النيكل او النحاس ما دام التعامل به قائما فلا تجوز المضاربه بالذهب و الفضه اذا لم تكن مضروبة- (۱۷)

(سونا اور چاندی جب کہ ان پر حکومت کی مہر ہو نقد میں باتفاق علماء شامل ہیں اور راجح قول کے مطابق ان پیسوں پر بھی نقد کا اطلاق ہوتا ہے جو معاشرے میں مروج ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشرے میں مروج پیسوں سے مراد سونے چاندی کے علاوہ دیگر کسی بھی دھات یا کسی بھی چیز کے سکے جن کو معاشرے میں بطور نقد قبول کر لیا گیا ہو وہ نقد شمار ہوں گے جب تک کہ معاشرے میں ان کی یہ حیثیت برقرار ہے اور سونا اور چاندی کی ڈلیاں جبکہ وہ سکوں کی شکل میں نہ ڈھلی ہوں اور حکومت کی ان پر مہر نہ ہو نقد شمار نہ ہوں گی)۔

امام جزری کے اس بیان کے مطابق سونا اور چاندی باتفاق فقہاء نقد کی تعریف میں داخل ہیں۔ البتہ سونے چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں سے بنے ہوئے مروج سکوں کو نقد میں شامل کرنے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں لیکن راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ یہ بھی نقد میں شامل ہیں۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں رائج کرنسی نوٹ نقد میں داخل ہیں یا نہیں۔ ہمارے ملک کے بعض ارباب فتوی اس کو نقد شمار نہیں کرتے بلکہ یہ نقد کی ایک ضمانت یا اس کا عنوان ہیں۔ اور اس پر لکھی ہوئی مالیت بنک دولت پاکستان کی طرف سے متعین ہے جس پر حکومت پاکستان ضامن ہے۔ جبکہ زیادہ تر فقہاء و مفتیان کی رائے کے مطابق کرنسی نوٹ نقد میں داخل ہیں اور یہی رائے صائب معلوم ہوتی ہے جس کی حسب ذیل وجوہ ہیں۔

۱۔ علامہ جزری کی ایک عبارت سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

"ومنها ان يكون رأس المال ذهبا او فضة مختومين بختم الملك فلا تصح اذا كان رأس المال قطع ذهب او فضة لم تضرب" (۱۸)

(مضاربت کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ رأس المال سونے چاندی کے ان سکوں کی شکل میں ہو جو حکومت نے مہر لگا کر بطور سکہ جاری کیے ہیں۔ چنانچہ سونے چاندی کی ان ڈلیوں سے مضاربت جائز نہ ہو گی جن پر حکومت کی مہر نہ ہو)

اس عبارت سے یہ چیز سمجھ میں آ رہی ہے کہ سونے چاندی کو بھی نقدی یا سکہ کی حیثیت جب حاصل ہو گی جبکہ اس پر حکومت کی مہر تصدیق ثبت ہو گی اور وہ بطور سکہ لوگوں میں رائج ہو۔

۲۔ عرف عام میں کرنسی نوٹوں کو نقد (Cash) کی حیثیت حاصل ہے۔ تمام تجارتی بنک اور ادارے جو رسید نقد کی وصولی کی جاری کرتے ہیں' وہ دوسری اشیاء مثلاً چیک یا ڈرافٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وغیرہ کی رسید سے مختلف ہوتی ہے۔ عرف عام احکام شریعت میں ایک مصدر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

خذالعفو وامر بالعرف واعرض عن الجاھلین (۱۹)
(سرسری برتاو کو قبول کر لیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کر دیا کیجئے)

اس آیہ مبارکہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں۔

" لوگوں کے اعمال و اخلاق میں تہہ اور حقیقت تلاش نہ کیجئے بلکہ ظاہری نظر میں سرسری طور پر جو کام کسی سے اچھا ہو' اس کو بھلائی پر محمول کیجئے۔ باطن کا حال اللہ کے سپرد کر دیجئے' حاصل یہ کہ معاشرہ میں سہولت رکھئے تشدد نہ کیجئے۔" (۲۰)

یعنی معاشرتی معاملات میں' جہاں تک قرآن کریم اور سنت نبی کریم اجازت دے وہاں تک سہولت کو اختیار کرنا چاہئے۔ کسی غیر ضروری تشدد میں خود مبتلا ہونا چاہئے نہ ہی امت کو مبتلا کرنا چاہئے۔

ملا جیون لکھتے ہیں۔

" اگر کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا تو مچھلی کھانے سے اس پر کفارہ قسم واجب نہیں ہو گا کیونکہ گوشت خون سے بنتا ہے اور خون والا جانور پانی میں زندگی نہیں گزار سکتا۔ مزید یہ کہ مچھلی بیچنے والا شخص عرف عام میں گوشت بیچنے والا نہیں کہلاتا اگرچہ قرآن حکیم میں لحماً طریاً کہا گیا ہے۔" (۲۱)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ قسم میں کفارہ اس مصداق پر ہو گا جو عرف عام میں مراد ہوتا ہے ظاہری الفاظ پر نہیں ہو گا حتیٰ کہ ظاہری الفاظ کا مصداق عرف عام کے مصداق سے اگر مختلف ہو تو' عرف عام کے مصداق پر عمل ہو گا نہ کہ ظاہری الفاظ کے مصداق پر۔ عرف عام کی شرعی مصدریت و حیثیت پر علامہ شاطبی نے الموافقات میں' ابن نجیم نے الاشباہ والنظائر میں' صبحی محمصانی نے فلسفہ التشریع فی الاسلام میں' ابن عابدین نے مجلّہ میں تفصیلی بحث کی ہے۔ خوف طوالت سے اس کو ترک کیا جا رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ اشیاء میں اصل اباحت ہے معاشرتی معاملات میں کوئی بھی شے اس وقت تک ناجائز نہیں قرار دی جا سکتی جب تک کہ وہ صراحتہً شارع نے ناجائز نہ قرار دی ہو یا اس میں کوئی ایسی علت پائی جاتی ہو جس کی وجہ سے کسی شئے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ کرنسی نوٹوں کے نقد شمار کرنے کی ممانعت صراحتہً شریعت میں موجود ہے نہ اس کے اختیار کرنے میں کسی حرام کام کا ارتکاب ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں کوئی ایسی علت پائی جاتی ہے جس کی بنا پر کسی دوسری شئے کو حرام قرار دیا گیا ہو۔

۴۔ کرنسی نوٹوں کو نقد قرار نہ دینے میں ایک بڑی خرابی یہ لازم آتی ہے کہ اس طرح ہم سودی بنکاری اور سودی نظام سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ کیونکہ بنکاری میں سودی نظام کا متبادل مضاربت ہے اور مضاربت صرف نقدی ہی سے منعقد ہو سکتی ہے۔

۵۔ کرنسی نوٹ کو نقدی قرار نہ دینے والے کیا اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ ایک شخص پچاس روپے کا نوٹ ساٹھ روپے میں یداً بید (بلا ادھار) فروخت کر دے کیونکہ غیر نقد اموال میں اضافہ سود نہیں منافع ہوتا ہے جیسا کہ اس پر آگے بحث کی جائے گی۔

۶۔ کرنسی نوٹ حکومت کی ضمانت سے جاری ہوتا ہے اور آئین کے آرٹیکل کی رو سے کرنسی نوٹ کی وصولی سے انکار جرم ہے اور اس پر قید کی سزا دی جا سکتی ہے جبکہ دیگر ادائیگیوں مثلاً چیک یا ڈرافٹ کا انکار جرم نہیں ہے۔

۷۔ کرنسی نوٹ کو نقد نہ سمجھنے کی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ زکوۃ ادا نہیں کی جا سکتی اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ سکوں کے ذریعہ زکوۃ ادا کی جائے اور سکوں کا حصول ایک امر مشکل ہے۔ خصوصاً جس شخص یا ادارہ کی زکوۃ لاکھوں روپوں میں بنتی ہو۔ عام طور پر یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ سکے اس کے لئے مخصوص کیے جاتے ہیں' ان سکوں کے ذریعہ زکوۃ ادا کی جاتی ہے اور پھر وہ سکے واپس لے کر نوٹ دے دیے جاتے ہیں تاکہ وہ سکے سال آئندہ استعمال ہو سکیں۔ یہ حیلہ کیا اہل کتاب کے اس عمل سے مشابہ نہیں کہ جب انہیں ہفتہ کے دن شکار کرنے سے منع کیا گیا تو انہوں نے ہفتہ کے روز وہ مچھلیاں ایک نالی میں منتقل کر لیں اور آئندہ روز انہیں شکار کر کے یہ خیال کیا کہ ہم نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ کے حکم کی اطاعت کی۔

۸۔ نبی کریمؐ کا صرف سونے اور چاندی کے سکوں کو نقد فرمانا اس بنا پر ہے کہ اس زمانہ میں نقد وہی مروج تھا' اگر آپ کے حکم کو اس طرح مخصوص و متقید کر دیا جائے تو یہ دین کے اس ہمہ گیری تصور کے خلاف ہے' جو نبی کریمؐ لے کر آئے ہیں' اس کا مطلب یہ ہو گا کہ شراب اسی قسم کی حرام ہو گی جس نوع کی شراب حضورؐ کے زمانہ میں لوگ پیا کرتے تھے۔ آج اگر شراب کی کوئی نئی قسم ایجاد ہوتی ہے تو وہ حرام نہ ہو گی یا قمار کی صرف وہی شکل حرام ہو گی جو حضورؐ کے زمانہ میں مروج تھی' کوئی جدید شکل حرام نہ ہوگی۔ غرضیکہ اس طرح متعدد دینی خرابیاں اور قباحتیں پیدا ہوتی ہیں۔

جب یہ بات طے ہو گئی کہ کرنسی نوٹ نقد کے حکم میں ہیں تو بلاشبہ یہ کہا جائے گا کہ یہ سونے اور چاندی کے حکم میں ہوں گے اور سونے اور چاندی کے ادھار میں یا یداً بیدا لین دین میں زیادتی ربا شمار ہو گی۔ لہٰذا نقد میں بھی خواہ وہ بنک میں جمع ہوں یا اپنے قبضہ میں ہوں متعینہ زیادتی سود شمار ہوگی۔ البتہ مضاربت کی شکل جس کی تفصیل بیان کی جا چکی' کاروبار جائز ہونے کی صورت میں منافع جائز ہو گا۔

کرنسی کا اتار چڑھاؤ:

کرنسی کی قدر و قیمت کا اتار چڑھاؤ اس سلسلہ میں اہمیت رکھتا ہے' دنیا کے اقتصادی حالات میں اشیاء ضرورت کی قیمت میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور کرنسی کی قدر و قیمت میں کمی آتی جا رہی ہے۔ اس ضمن میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ معاملہ قرض میں یا کسی بھی مالی لین دین میں کرنسی کی قدر کے اس رجحان کا خیال رکھنا چاہئے اور قرض کی واپسی کے وقت رقم میں اسی شرح سے اضافہ کر دیا جائے۔ تو وہ سود کی تعریف میں داخل نہ ہو گا۔ اسی اضافہ کو اصطلاحاً مارک اپ (Mark up) کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ نظریہ متعدد وجوہ سے غلط ہے۔

۱۔ گذشتہ اوراق میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ معاشرہ میں مروج کرنسی نوٹ بھی نقد ہی کے حکم میں ہیں اور نقد میں اضافہ سود کہلاتا ہے۔ خواہ اس کا محرک کچھ بھی ہو۔

۲۔ احکام شریعت میں عرف عام کی اہمیت اور اصول شریعت میں اس کی بنیادی حیثیت پر بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوراق گذشتہ میں مختصراً بحث کی گئی' اس اصول کی روشنی میں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ عام لین دین میں رقم کی وہی قدر معتبر مانی جاتی ہے جو اس پر درج ہوتی ہے۔ معاملہ قرض میں بھی مقروض پر وہ رقم واجب ہوتی ہے جو اس نے وصول کی ہے۔ نہ کہ اس کے مساوی قدر کی رقم۔ اس بناء پر اس رقم میں جو بھی اضافہ ہو گا' خواہ وہ قدر کو پورا کرنے کے لئے ہو' سود کہلائے گا۔

۳۔ اگر کرنسی کی شرح میں کمی کو معتبر مانا جائے تو اس میں زیادتی کو بھی معتبر ماننا ہو گا۔ اگر کرنسی کی شرح قدر میں اضافہ ہو جاتا ہے تو مقروض پر اسی قدر رقم کم واجب ہو گی جتنا کہ کرنسی کی قدر میں اضافہ ہوا ہے' اس بات کا امکان بلا شبہ بہت کم ہے لیکن اصول بناتے وقت اس کو بھی بہرحال مدنظر رکھنا پڑے گا اور یہ بات عملاً ممکن نہیں ہے' کوئی بھی قرض خواہ اس بات پر ہرگز تیار نہ ہو گا کہ اس کی رقم کا کچھ حصہ منہا کر لیا جائے۔

۴۔ کرنسی کی شرح میں کمی کے لئے حکومت کی طرف سے جو معیار متعین ہے وہ ہے کہ حکومت نے ۱۹۷۰ء کی قیمتوں کو معیار بنا کر اس میں جس قدر اضافہ ہوتا ہے' کرنسی کی شرح اسی قدر کم کر دی جاتی ہے' احکام شریعت کی رو سے قرض کے لین دین میں قیمتوں کو معیار بنا کر رقم میں اضافہ سود کی تعریف میں داخل ہے۔

اس سلسلہ میں قابل غور امر یہ ہے کہ افراط زر کے ذمہ دار کیا امور ہیں اور زر کے اس رجحان پر کس طرح قابو پا کر اسے ایک مستحکم شرح پر قائم کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ افراط زر میں بنیاد و معیار اشیاء ضرورت کی قیمتیں ہیں۔ اشیاء ضرورت کی بڑھتی ہوئی قیمتیں زر کی قدر میں کمی کا باعث بن رہی ہیں' زر کی قدر کو مستحکم کرنے کے لئے سب سے پہلے اشیاء ضرورت کی قیمتوں میں استحکام پیدا کرنا ہو گا۔ افراط زر پیدا ہونے کی بہت سی وجوہ ہیں جن میں اہم تر اور بنیادی وجوہ حسب ذیل ہیں۔

اجارہ داریاں:

صنعت و حرفت میں اجارہ داریاں زیادہ ہونے کے نتیجہ میں مخصوص صنعتیں قیمتوں کو کنٹرول کرتی ہیں جس سے ملک میں افراط زر پیدا ہو جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے روزگاری :۔

بے روزگاری بھی افراط زر کو پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

طلب و رسد میں عدم توازن :۔

طلب و رسد میں عدم توازن کی وجہ سے اشیاء ضرورت کی قیمتیں متاثر ہوتی ہیں اگر طلب زیادہ ہو اور رسد کم ہو تو مطلوبہ اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اسی طرح افراط زر پیدا ہوتا ہے۔

افراط زر کی ان وجوہ پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ مذکورہ تینوں حالات سودی نظام کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں' سودی کاروبار اور سودی بنکاری سے اجارہ داریوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ کیونکہ جو ادارہ یا بنک کو بہرحال سرمایہ پر ایک خاص شرح سے سود ادا کرتا ہے' وہ صرف ایسا ہی کاروبار کرے گا جس میں منافع کی زیادہ سے زیادہ توقع ہو' اور منافع کی زیادہ سے زیادہ توقع ایسے کاروبار میں ہوتی ہے جہاں کسی ادارہ کی اجارہ داری ہو۔ اس طرح سودی نظام اجارہ داریوں کی افزائش کا سبب بنتا ہے اور اجارہ داریوں کی زیادتی سے افراط زر پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح سودی نظام معاشرہ میں بے روزگاری میں اضافہ کا سبب بنتا ہے' جس قدر سود کی مقدار زیادہ ہو گی' بے روزگاری اسی قدر زیادہ ہو گی' سود کی شرح جتنی کم ہو گی' بے روزگاری میں بھی کمی واقع ہو گی۔ طلب و رسد میں عدم توازن کی بڑی وجہ بھی نظام سود ہے کہ اجارہ دار ادارے اپنی منشا کے مطابق اشیائے ضرورت میں قلت پیدا کرتے ہیں جس سے طلب و رسد میں توازن بگڑ جاتا ہے جو بالآخر افراط زر پر منتج ہوتا ہے۔ افراط زر کی حقیقت' اور اس کے محرکات پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ سود اس سلسلہ میں اہم کردار ادا کرتا ہے' سودی نظام کو ختم کرنے سے جو روپیہ چند ہاتھوں میں محدود رہتا ہے' اور وہ اس کی قدر و قیمت میں اتار چڑھاؤ پیدا کرتے ہیں' زیادہ گردش میں آئے گا' اجارہ داریاں کم سے کم ہوں گی اور زر کی قدر کی شرح بھی متوازن ہو گی ۔

مزید یہ کہ یہ تصور بھی غلط محسوس ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں سود کا حکم نازل ہوا' کرنسی کی قدر میں اتار چڑھاؤ نہ تھا اور نہ ہی مختلف کرنسیاں مروج تھیں ۔ بعض روایات اس تصور کی نفی کرتی ہیں ۔ بلاذری فتوح البلدان میں لکھتے ہیں کہ قریش مکہ یمن' شام' عراق' مصر اور حبشہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے تجارتی سفر کیا کرتے تھے۔ لہٰذا خرید و فروخت میں عام طور پر رومی دینار و درھم یمن کے سکے، کاروبار میں چلتے تھے۔ (۲۲)

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں :۔

" زمانہ جاہلیت میں درہم کئی طرح کے ہوتے تھے، جن میں زیادہ تر کھرے طبری اور بغلی تھے جو آٹھ اور چار دانگ کے ہوتے تھے۔ فاروق اعظم نے فرمایا کہ جو زیادہ مروج ہے، اسی کو لے لیا جائے۔ چنانچہ طبری اور بغلی درہم کا مجموعہ ۱۲ دانگ کا ہوتا ہے، آخر ایک درہم ۴ اور ۸ کی اوسط سے ۶ دانگ کا مقرر کر دیا گیا۔" (۲۳)

ان دو روایات سے تو یہ بات ثابت ہوئی کہ مختلف ممالک یا سلطنتوں کی کرنسیاں مکہ میں رائج تھیں اور کاروباری لین دین میں استعمال ہوتی تھیں۔ رہی یہ بات کہ کرنسی کی قدر میں اتار چڑھاؤ ہوتا تھا، اس کا ثبوت بھی بلاذری کے ایک کلام سے ہوتا ہے۔

"جاہلیت میں اہل مکہ کے پاس ہرقل کے دینار بھی آتے تھے، اور ایرانیوں کے دراہم بغلیہ بھی، عرب ان سکوں کو تول کر ان کے وزن کے اعتبار سے ان کی قدر و قیمت متعین کرتے اور پھر خرید و فروخت ہوتی۔" (۲۴)

اسی طرح انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مطابق ایران کے سکے عموماً گھسے ہوتے تھے اور وزن میں بھی برابر نہ ہوتے تھے۔ نیز شکل بھی مختلف ہوتی تھی، کیونکہ مختلف دارالضربوں سے بن کر نکلتے تھے، چنانچہ صرف تربیت یافتہ صراف ہی ان خرابیوں کو پہچان سکتے تھے اور جو سکے گردش میں تھے، ان کے معیار کو متعین کرتے۔ (۲۵) ان تمام روایات میں باہمی ربط پیدا کرنے سے دو نتائج سامنے آتے ہیں۔

الف۔ مکہ کی کاروباری منڈیوں میں مختلف قسم کے سکے مروج تھے۔

ب۔ ان سکوں کی قدر و قیمت کم زیادہ ہوتی تھی اور اس معیار کو متعین کرنے میں عرب تجار جو بین الاقوامی تجارت کے ماہر ہوتے تھے، اور ماہر صراف کی رائے فیصلہ کن ہوتی تھی۔ گویا یہ تجار اور صراف مل کر ایک ایسا ادارہ بنتے تھے جو کرنسی کی قدر و قیمت متعین کرتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں اتار چڑھاو لازماً ہوتا ہو گا۔

چنانچہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ سکے تعداد میں کم اور گردش میں زیادہ ہونے کی وجہ سے زیادہ گھستے ہوں اور اپنی قدر کو روز بروز کم کرتے چلے جا رہے ہوں اور اسی وجہ سے قریش مکہ سود وصول کرتے ہوں۔

حواشی

۱۔ اصفہانی، حسن بن محمد امام، المفردات فی غریب القرآن، کراچی، اصح المطابع، ص ۲۷۸

۲۔ ۹۔ التوبہ، ۲۴

۳۔ ۱۰۴۔ الھمزہ، ۲

۴۔ ابن عربی، ابوبکر محمد بن عبداللہ، احکام القرآن، بیروت، دار المعرفہ، ج ۱، ص ۲۴۱

۵۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن

۶۔ ۲۔ البقرہ۔ ۲۷۹

۷۔ عینی، ابو محمد محمود ابن احمد، عمدہ القاری، بیروت۔ دار الفکر، ج ۱۱، ص ۲۰۱

۸۔ عینی، ابو محمد محمود ابن احمد، عمدہ القاری، بیروت۔ دار الفکر، ج ۱۱، ص ۲۰۱

۹۔ محمد ثناء اللہ پانی پتی، قاضی، تفسیر مظہری، کوئٹہ، بلوچستان بک ڈپو، ج ۱، ص ۴۱

۱۰۔ بغوی، ابو محمد الحسین بن مسعود، معالم التنزیل (تفسیر بغوی) ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ج ۱، ص ۲۶۴

۱۱۔ محمد طاہر القادری، پروفیسر، بلا سود بنکاری، لاہور، ادارہ منہاج القرآن، ص ۱۰۱

۱۲۔ ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار، بیروت، دار احیاء، ج ۳، ص ۴

۱۳۔ السید السابق، فقہ السنہ، بیروت، دار الکتاب، ج ۳، ص ۴۶

۱۴۔ مصطفیٰ احمد زرقا، المدخل الی الفقہ الاسلامی الجز الثالث (الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، بیروت، دار الفکر، ص ۱۱۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۵۔ سرخسی، شمس الدین، المبسوط، بیروت، دارالمعرفہ،

۱۶۔ الجزری، عبدالرحمن، کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ، بیروت، دارالفکر، ج ۳، ص ۳۶

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ ۷، الاعراف، ۱۹۹

۲۰۔ اشرف علی تھانوی، مولانا، بیان القرآن، لاہور، مکتبہ الحسن، ج ۱، ص ۵۴

۲۱۔ ملاجیون، نورالانوار، کراچی، ایچ ایم سعید، ص ۱۱۱، ۱۲

۲۲۔ بلاذری، فتوح البلدان، ص ۴۶۸

۲۳۔ ابن خلدون، عبدالرحمن، مقدمہ ابن خلدون، بیروت، مؤسسہ الاعلمی ص ۲۶۱، ۶۲

۲۴۔ بلاذری، حوالہ مذکورہ

۲۵۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۳، بذیل سکہ

© rasailojaraid.com